صنفی مساوات اور محمد الیاس کے کردار

سمیرا عمر
لیکچرار اردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، سرگودھا

GENDER EQUALBERIUM AND CHARCATERS BY ILYAS

Sumaira Umar
Lecturer in Urdu
Govt. Post Graduate College (W) Sargodha

Abstract

Woman is a core subject of literature and is represented in different perspectives. Urdu novel from its very birth has shown great interest in woman and domestic life. It usually takes great pains to reform her daily life. Its context normally is male oriented. But a different tradition of emancipation has also found place in Urdu novel. Muhammad Ilyas belongs to this tradition. His novels seek an egalitarian society which may not subjugate women. His female characters are vocal, active and full of life. This article analyses the representation of women in novels of Muhammad Ilyas.

Keywords:
Story of Adam and Eve, Urdu novel, Gender exploitation, Women emancipation, Muhammad Ilyas, Social customs

انسانی آبادی دو بڑی اصناف میں منقسم ہے: مرد اور عورت۔ دونوں کے تعلقات کے بیان سے دنیا بھر کا ادب بھرا پڑا ہے۔ یہ تعلق مذہبی صحائف کا موضوع بھی رہا ہے۔ قرآن کی دوسری سورت اور پہلے سپارے کے آغاز میں ہی قصۂ آدم و حوا بیان ہوا ہے۔ اردو ادب کی آبرو ''غزل'' کا لفظی مطلب بھی عورتوں سے گفتگو ہے۔ اردو ناول نے اپنی ابتدا سے ہی عورتوں کے مسائل اور کرداروں کو مرکز میں جگہ دی ہے۔ محمد الیاس کے ناولوں کے بنیادی موضوعات میں سے ''عورت'' ایک اہم ترین موضوع ہے۔ ان کے ناولوں کے مرد کرداروں کی نسبت عورتوں کے کردار زیادہ جاندار ہیں۔ مثال کے طور پر کہر میں مارگریٹ کا کردار پورے ناول پر حاوی ہے۔ الیاس نے اپنے ناولوں میں سماج کی موجودہ صورت حال کے مطابق عورتوں کو درپیش مسائل گھر اور گھر سے باہر ان کے ہونے والے استحصال اور ان کے ردعمل کو پیش کیا ہے۔ مردوں کی طرف سے عورتوں کو ماتحت رکھنے کے لیے خیال اور عمل کی سطح پر جو طریقہ ہائے کار اپنائے گئے ہیں، ان کا بیان بھی محمد الیاس کے ناولوں میں موجود ہے۔ بطور مصنف وہ سماج میں مساوات کے قائل ہیں، اسی لیے نام نہاد اقدار کے نام پر ہونے والے عورتوں کے استحصال پر وہ سخت تنقید کرتے ہیں اور سماج کی ایسی روایات پر بھی کڑی تنقید کرتے ہیں جو عورتوں کے استحصال کے لیے جواز بن کر سامنے آتی ہیں۔

ہمارے سماج میں عورت کی ناگفتہ بہ حالت کو محمد الیاس کے ناولوں میں زبان ملتی ہے۔ ان میں عورتوں کی کمترین حالت کو دکھایا گیا ہے۔ ان کے ہیرو عام طور پر ایسے مرد ہیں جو عورت کی اس حالت کو بدلنا چاہتے ہیں۔ انھیں مردوں کی طرف سے عورتوں کا کیا جانے والا استحصال سخت ناپسند ہے۔ کہر کا ہیرو ذوالقرنین ایک ایسا ہی مرد کردار ہے جو عورتوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ''یہاں عورت کو زندگی بھر اپنے ہونے کا خراج ادا کرنا پڑتا ہے... یہ مخلوق مردانہ رشتوں کے طفیل زندگی کرتی ہے۔ باپ، بھائی، خاوند یا بیٹے کے۔ وہ بھی نہ رہیں تو دادی پوتے کے سہارے دن گزارتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ اپنی زندگی کے بڑے فیصلے خود نہیں کرسکتی۔''(۱)

ذوالقرنین کے ان جملوں میں عورت کی طفیلی حیثیت پر تنقید موجود ہے۔ وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ اگر عورت پیشہ کرتی ہے تو اسے ایک مرد یعنی دلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ کتنا ظلم ہے کہ عورت کا استحصال مرد کرتا ہے اور اس استحصال سے فائدہ بھی مرد اٹھاتا ہے۔ وہ سماج کے دہرے پن پر طنز کرتا ہے، کہ یہاں رشتوں کو عزت دی جاتی ہے یعنی ماں اور بیٹی کے رشتے کو، تاہم عورت کی بطور انسان عزت نہیں۔ پھر یہ عزت بھی بس وہی مرد کرتا ہے جس کا عورت سے خون کا رشتہ ہے، باقی تو اس ماں یا بیٹی پر آوازیں کستے ہیں۔

الیاس نے معاشرے میں عورت کے مقام کو دکھانے کے علاوہ ماضی کے سماجوں اور مفکرین کے عورتوں کے بارے خیالات کو بھی بیان کیا ہے۔ ان بیانات کی مدد سے وہ عورت کی حالت کو تاریخ کے آئینے

میں رکھ کر دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ جان کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ ماضی کے بڑے بڑے نام بھی عورت کے معاملے میں وہی خیالات رکھتے ہیں جو ایک عام اوسط ذہن کا حامل مرد رکھتا ہے۔ان خیالات کی روشنی میں عورت کی حیثیت مرد کے مقابلے میں کمتر ہے۔مذاہب کی تشریح کرنے والوں نے بھی یہی خیالات پیش کیے اور صاحب الرائے مصنفین کے خیالات بھی عورت کے معاملے میں یکساں ہیں۔مثال کے طور پر ارسطو نے اپنی کتاب ''سیاست'' میں لکھا ہے کہ مرد فطری طور پر برتر جبکہ عورت کمتر ہے۔زرتشت کی نظر میں غلام اور عورت کی حیثیت برابر ہے۔اسی طرح عہدنامہ قدیم میں بیوی کو جائیداد منقولہ کہا گیا ہے اور عہدنامہ جدید میں لکھا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے حضور یوں پیش ہو جیسے وہ اس کا آقا و مالک ہے۔ہندومت کی رو سے عورت اور شودر کو مفلس اور محتاج رکھنے کا حکم ہے۔تورات میں حضرت سلیمانؑ کے بارے درج ہے کہ ان کی سات سو بیویاں اور تین سو کنیزیں تھیں۔مذاہب کے مختلف ہونے، علاقائی اور زمانی فرق کے باوجود عورت کے بارے میں خیالات اور اس کی حیثیت کے بارے میں تصورات میں یکسانیت موجود ہے۔الیاس نے نہ صرف ماضی سے ایسی مثالیں جمع کی ہیں، بلکہ حال یعنی موجودہ دور میں عورت کی حیثیت کا ان مثالوں سے تقابل بھی کیا ہے۔ان کے نزدیک جدید دور کے بیشتر معاشرے بھی ماضی کے معاشروں کی طرح عورت کے معاملے میں ایک جیسا مزاج رکھتے ہیں۔آج بھی عورت اپنے فیصلے خود نہیں کرسکتی۔اگر کبھی عورت اپنا کوئی فیصلہ خود کر بھی لے، تو اسے گھر، خاندان اور سماج کی دشمنی مول لینا پڑتی ہے۔قربت کے رشتے قربان کرنا پڑ جاتے ہیں۔ایسے خراج کے بغیر وہ اپنی زندگی سے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتی۔(۲)

ذوالقرنین کا دوست جلال وضاحت کرتا ہے کہ جس معاشرے میں عورت کے لیے تمام ضابطے مرد ترتیب دیں، اس کے حقوق وفرائض کی فہرست بھی مرد تیار کریں اور اس کی زندگی کے اہم اور غیر اہم فیصلے بھی مرد کریں، تو یہ سب باتیں یہی ثابت کرتی ہیں کہ عورت کو اس کا حق نہیں دیا جارہا۔(۳) اسی کمتر حیثیت کا ایک نمونہ بچے کی پیدائش کے وقت سامنے آتا ہے۔مردوں کے سماج میں بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں دی جاتی۔ان کی پیدائش پر گھر میں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور پورے گھرانے پر افسردگی کی فضا طاری ہو جاتی ہے۔جلال کی بیوی ثمیرہ اس ردعمل پر یہ تبصرہ کرتی ہے کہ مقامی لوگ چونکہ ماضی میں ہندو رہے ہیں، اسی لیے وہ بیٹی کو رحمت کی بجائے زحمت تصور کرتے ہیں۔(۴)

عورت مرد کے تابع ہے یہ ایسا تصور ہے جس کے ذریعے مردوں نے عورتوں کو غلام بنا رکھا ہے اور اس کی زندگی کے تمام فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں۔برف کے شیخ صاحب بھی ایک ایسے ہی مرد ہیں جو پورے کنبے کے تمام فیصلے اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔انھوں نے اپنی سمجھ بوجھ کو خدا کا حکم قرار دے رکھا ہے۔ان کا ذہن جس بات میں اٹک جاتا ہے بس پھر وہ پتھر پر لکیر ہوتی ہے۔جنت کمانے کے لیے وہ اپنی

بیٹی کی پے در پے شادیاں کرتے ہیں، جس کا صدمہ برداشت سے باہر ہو جاتا ہے، تو وہ پاگل ہو جاتی ہے۔ بیوی روکتی ہے، بچے درخواست گزار ہوتے ہیں لیکن شیخ صاحب اپنی مذہبی سمجھ بوجھ کے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ جب وہ اپنی بیٹی کے ایک نوسرباز سے نکاح پر بضد ہوتے ہیں، جس نے انھیں یقین دلا دیا ہے کہ وہ سب برائیاں ترک کر چکا ہے اور اب نفلی عبادات تک کرنے لگا ہے، تو شیخ صاحب کی بیوی اور بیٹے انھیں زبیر کی حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن شیخ صاحب کو ایک عابد و زاہد شخص کے بارے میں کچھ نہیں سننا۔ اس صورت حال میں جب کوئی چارہ نہیں چلتا، تو شیخ صاحب کی بیوی اپنی بیٹی فخرالنسا کو یہی بات سمجھاتی ہے کہ عورت مرد کے تابع ہے:

> ''عورت ذات کی اوقات ہی کیا ہے؟ اس کے پاس جزا اور سزا کا کیا اختیار ہے۔ مرد کی صوابدید ہے، دل چاہے تو زمین پر گری پڑی کو اٹھا کر سینے سے لگا لے، دل کی ملکہ بنا کر رکھے اور مزاج برہم ہو جائے تو سچ مچ کی ملکہ کو بھی کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دے۔ عورت کی ساٹھ ستر سال کی محبت، خدمت اور ریاضت مرد کے منھ سے ادا ہوئے ایک لفظ کی مار ہے... ٹھیک ہے عورت کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ کبھی ڈھیٹ ہو کر رہ لی، تو کبھی اولاد کے مان پر ٹک گئی۔ اس کی ذاتی حیثیت طفیلی ہے۔''(۵)

یہ درد سے بھرے ہوئے جملے ایک ماں کے ہیں، جس نے تمام عمر اپنے شوہر کی خدمت کی، وفادار رہی اور اس کی لونڈی بن کر زندگی گزاری، اب بڑھاپے میں بھی اپنی بیٹی کے مستقبل کو تباہ ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ اسے لگتا ہے کہ مرد اگر عورت ملکہ بھی ہو تو اسے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ عورت ان جملوں میں ایک شے بن کر سامنے آتی ہے جس کی قدر و قیمت کا تعین مرد کرتا ہے۔ زبیر ایسا مرد ہے جس نے صرف خوب صورتی کے لیے فخرالنسا سے شادی کی ہے اور وہ اسے محض اپنی خواہشوں کی بھینٹ چڑھانا چاہتا ہے۔ وہ فخر سے صاف صاف کہتا ہے کہ اگر اس نے زبیر کی ہر بات نہ مانی تو وہ اسے شہر کے کوٹھے پر بیچ دے گا اور اگر وہ ہر بات مانے گی تو کچھ عرصے بعد اسے طلاق دے کر چھوڑ دے گا۔ اس رویے پر راوی تبصرہ کرتا ہے کہ شیخ نے جنت جانے کے شوق میں اپنی بیٹی کو دوزخ میں پھینک دیا ہے۔ کلثوم کی زندگی کا تمام اختیار زبیر کے ہاتھ دے دیا، اب یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ کلثوم کو بیوی بنا کر رکھے یا لونڈی، گویا زبیر کو نکاح کی صورت میں ناقابلِ تنسیخ لائسنس مل گیا ہے۔

بــــرف کی ہیروئن فخرالنسا سماجی حالات اور اپنے خاندان کی صورتِ حال پر رائے دیتی ہے کہ ''ہمارے گھر میں عورت کی کوئی حیثیت تسلیم نہیں کی جاتی۔''(۶) عورت کی یہ کمتری محض اس کے گھر تک محدود نہیں۔ محمد الیاس بیان کرتے ہیں کہ طاقت ور اعلیٰ طبقات کے مردوں کے لیے عورت محض ایک کھلونا

ہے۔جوان کے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے تصرف میں لائی جاتی ہے اور دل بھر جانے پر بے کار شے کی طرح پھینک دی جاتی ہے۔ان کا ماننا ہے کہ عورت کی تذلیل اور بے بسی سے پوری انسانی تاریخ داغدار ہے۔یہ تذلیل کسی خطے تک محدود نہیں، نہ کوئی ایسا دور گذرا ہے جب عورت کو انسان تصور کرتے ہوئے اسے جائز مقام دیا گیا ہو۔اس کی بنیادی وجہ ان کے خیال میں وہ فلسفہ ہے جسے مرد نے عورتوں اور مردوں کے ذہنوں میں ڈالا ہے۔یہ فلسفہ عورت کو بہت ہی محدود اور ادنیٰ قسم کے اختیارات دیتا ہے اور اس کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ عورت اس محدود اختیار پر بھی مطمئن ہو جاتی ہے۔شیخ صاحب نے یہی خیالات فخر کو سکھائے تھے۔ان کے مطابق عورت کے دو ہی کام ہیں آسمان پر خدا کو خوش رکھنا اور زمین پر اپنے شوہر کی خوش نودی حاصل کرنا۔اگر خاوند کو خوش رکھنے میں عورت کے آدرش،اس کی امنگیں اور آرزوئیں قربان ہو جائیں تو عورت کو بہ خوشی قربانی دینی چاہیے۔شوہر کے تابع رہ کر ہی عورت فطرت کی طرف سے طے کردہ کردار ادا کر سکتی ہے۔

الیاس کے ناول محض عورت کی بے بسی کو ہی موضوع نہیں بناتے ان کے ناولوں میں عورتیں اپنی بے بسی اور مردوں کی طرف سے بنائی گئی دنیا کے خلاف مزاحمت بھی کرتی ہیں۔یہ مزاحمت کہیں براہ راست مردوں سے جنگ کر کے،ان کا فیصلہ نہ مان کر،اپنا فیصلہ منوا کر اور کہیں ان کے بنائے ہوئے دہرے سماجی معیارات پر تنقید کی صورت میں سامنے آتی ہے۔''برف'' میں فخر النسا ہی اپنے باپ کے قول و فعل کے خلاف اپنے مکالموں میں مزاحمت کرتی ہے۔مثال کے طور پر وہ باپ کو احساس دلاتی ہے کہ جس شریعت کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنی بیٹی کی بار بار بیوہ یا مطلقہ ہو جانے پر شادی کر رہا ہے،اسی شریعت میں لڑکی یا لڑکے کی مرضی کے بغیر شادی نہیں ہوتی۔وہ طنزاً کہتی ہے کہ مرضی کے بغیر کی گئی شادی میں میاں بیوی کا تعلق نہیں ہوتا،بلکہ شوہر اپنی بیوی کا ریپ کرتا ہے۔جب ناول کے اختتام پر اس کی استانی فہمیدہ راجہ اس سے اپنے لیے بیٹی کی پیدائش کے لیے کہتی ہے،تو فخر بڑا تلخ جواب دیتی ہے۔وہ کہتی ہے کہ جس خطے میں ہم آباد ہیں،وہ بیٹیوں کے لیے انتہائی ناسازگار ہے۔ایک اور فخر النسا پیدا ہو جائے گی "بار بار ریپ ہونے کا عذاب سہتی رہے گی۔''(۷)یہ انتہائی تلخ حقیقت ہے اور افسوس ناک بات ہے کہ یہی کڑوا سچ ہے۔کتنے والدین اپنے بچوں سے ان کی شادی کے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے ان سے مشورہ لیتے ہیں۔ناول کے آخر میں جب اس کی لو اللہ سے لگ جاتی ہے تو وہ پورے علاقے میں "بی بی جان" کے نام سے مشہور ہو جاتی ہے۔لوگ دور دور سے اپنی منتیں مرادیں لے کر اس کے پاس آتے ہیں۔جب ہر طرف سے کے اس نام کا چرچا پھیل جاتا ہے تو وہ باپ کے سامنے بیان دیتی ہے:

''آپ چاہتے ہیں کہ بیٹی کا ذاتی حوالہ،نام،پتا یا سرنامہ نہیں ہونا چاہیے۔بے نام آئے اور بے نام ہی لوٹ جائے۔کسی مرد کی معرفت کے سہارے زندہ رہے۔سبک ہوا کے جھونکے

کی مانند گزر جائے۔ نقش پا نہ چھوڑے۔ مجھے اعتراف کرنا ہے کہ زندگی کی راہ پر میرے قدموں کے نشان باقی رہ گئے ہیں اور دھرتی پر میرے دستخط بھی ثبت ہو گئے ہیں۔ میرے نقش پا اور دستخط مٹانا کسی کے بس میں نہیں۔"(۸)

باپ کے تمام تر خیالات کی تردید اپنی زندگی سے کرنے کے باوصف وہ تمام عمر باپ کی فرماں بردار رہی ہے۔ اس کی ہر بات، ہر جائز و ناجائز مطالبہ تسلیم کرتی ہے۔ ناول کے آخر میں وہ باپ کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچاتی۔ خود ہی پہاڑوں میں گمنام ہو جاتی ہے، تا کہ اس کا مزار نہ بن جائے اور لوگ اس کے مزار پر آئیں تو اس کے باپ کو تکلیف نہ ہو۔

یہ سوال اہم ہے کہ کیا عورت کی کمتر حیثیت معاشی طبقے سے بھی جڑی ہے یا نہیں۔ دوسرے لفظوں میں عورت کی حیثیت پر خاندان کے امیر یا غریب ہونے سے فرق پڑتا ہے۔ اس سوال کا جواب الیاس کے ناول بارش سے ملتا ہے۔ یہ ناول انتہائی اعلیٰ طبقات کی کہانی پر مشتمل ہے۔ عورت کی حیثیت کے حوالے سے اس ناول میں متضاد صورتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک طرف بیگم تاجور ہے، جو اپنے اثر و رسوخ کے حوالے سے خاصی طاقت ور ہے۔ جس کے آگے خاندان کے کسی مرد کی نہیں چلتی، حتیٰ کہ اس کی حیثیت کے سامنے اس کا شوہر بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ دوسری طرف اس ناول میں امرا کی خواتین کی بے بس حالت کو دکھایا گیا ہے۔ یہ ایسی خواتین ہیں جو تمام عمر ملازموں کی فوج کے درمیان گھر کی چار دیواری میں قیدی کی سی زندگی گزار دیتی ہیں۔ شادی کے بعد کی زندگی ان کے لیے "ہاؤس اریسٹ" کی سی ہے۔(۹) ان گھروں میں زندگی کی ہر آسائش میسر ہوتی ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سامان رہائش، عمدہ لباس، مہنگے زیورات، سب کچھ ہوتا ہے لیکن شوہر کی رفاقت نصیب نہیں ہوتی۔ شوہر سے ملاقات کا لمحہ مہینوں بعد کبھی کبھی ہی آتا ہے، جب کبھی اسے شہر کی گوناگوں مصروفیات سے فرصت ملتی ہے اور وہ مزاج کا تکدر دور کرنے کے لیے گھر کا رُخ کرتا ہے۔ الیاس نے کاٹ دار طنز کرتے ہوئے لکھا کہ سردار خاندان کے مرد اپنی "حسبی نسبی" بیویوں کو گھروں میں قید رکھتے ہیں۔ ان بیویوں کا واحد مقصد جائیداد کے لیے وارث پیدا کرنا ہے۔ باقی ہر بڑے شہر میں ان کے گھر بھی ہوتے ہیں اور وہاں "رکھیلیں" بھی۔ اس صورت حال کا المیہ ایک جاگیردارنی کی زبانی بیان ہوا ہے۔ اسی ناول کی ایک کردار جہاں آرا کہتی ہے:

"میں جس خاندان کی عورت ہوں، ان کا مقدر لکھتے ہوئے کاتب تقدیر نے دولت اور آسائشوں کے انبار لکھ دیے مگر خاوند کی رفاقت لکھتے ہوئے جانے قلم کی سیاہی کیوں خشک ہو گئی۔"(۱۰)

یہ تصویر کا ایک رخ ہے، جس کے مطابق کثیر جائیداد کے حامل خاندانوں کی عورتیں تنہائی، بے بسی اور قیدی کی سی زندگی بسر کرتی ہیں۔ دنیا کی ہزار آسائش تو انھیں میسر ہے، تاہم شوہر کی محبت، اس کی رفاقت

ان کے نصیب میں نہیں۔ یہ عورتیں کاتب تقدیر سے گلہ کرتی ہیں مگر ان کی حیثیت انتہائی کمتر نظر آتی ہے۔ دوسرا رخ تاجور بیگم کے کردار میں نظر آتا ہے۔

تاجور بیگم کے اس کردار سے شاید ایسے لگے کہ عورت بہت طاقت ور ہو گئی ہے۔ایسا سمجھنا استثنائی مثال کو عام سمجھ لینا ہے۔ یہ انفرادی مثال ہے، جو زیادہ نہیں تو لاکھوں میں کہیں ایک آدھ ہوتی ہو گی۔ وگرنہ عمومی صورتِ حال وہی ہے۔جس کا شکار کروڑوں خواتین ہیں، جنھیں مردوں کے لیے کوئی نہ کوئی کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ مردوں کے لیے عورتوں کا استحصال کس بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور یہ دیکھنا اہم ہے کہ الیاس کے ہاں اس استحصال کی بنیاد کے بارے میں اشارہ سوال یا تنقید موجود ہے یا نہیں؟ محمد الیاس نے استحصال کی بنیاد میں دو اہم مظاہر کو شامل کیا ہے رواج اور مذہب کی مردانہ تشریح۔

عورتوں کے استحصال کی معاشرتی بنیادوں میں رسم و رواج کو اہمیت حاصل ہے۔ پیدائش سے لے کر وفات تک ہر قدم پر ایسے رسم و رواج موجود ہیں جو عورت اور مرد کے درمیان پائے جانے والے فرق کو واضح کرتے ہیں اور ان کے ذریعے مرد کی برتر حیثیت بھی قائم ہوتی ہے۔محمد الیاس کے ناولوں میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔مثلاً کہر میں کلثوم کے شعور کی تصویر کشی کے دوران یہ حقیقت باور کروائی گئی ہے کہ مرد اپنی حیوانیت کے بل پر عورت کے سارے کس بل نکال سکتا ہے اور یہ ایک ایسا سماج ہے جہاں شب زفاف کی صبح بستر کی چادر دیکھی جاتی ہے۔(۱۱) یعنی ہر مرد کی خواہش یہی ہے کہ اسے باکرہ لڑکی ملے اور یہ بات محض مردوں تک محدود نہیں،عورتوں کے ہاں بھی اسی خاتون کی عزت ہے جو شادی تک باکرہ ہو اور اپنے شوہر سے وفادار رہے، چاہے شوہر مانا ہوا ہرجائی ہو۔توقع اور تمنا کی حد تک تو یہ بات اپنا جواز رکھتی ہے مگر جب چادر پر موجود لالی ہی کسی عورت کے باعصمت ہونے کا واحد معیار مان لیا جائے تو پھر کئی مسائل جنم لیتے ہیں۔اصل تو یہ ذہنیت ہے جس کی طرف الیاس نے اشارہ کیا ہے، جو عورت کو مردوں کے معیارات پر پرکھتی ہے۔اسی خیال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بیوہ سے شادی پر کوئی راضی نہیں ہوتا۔مثال کے طور پر برف میں مصنف نے لکھا کہ ''بڑا مسئلہ فخر النسا کا بیوہ ہونا تھا۔ جب کہ وہ ایسے معاشرے میں پیدا ہوئی تھی جو ہر قسم کا جوٹھا تسلیم کر لیتا ہے ماسوائے بیوی کے۔''(۱۲) بیوی کا باکرہ ہونا ایسا کڑا معیار ہے جس پر مرد کسی قسم کا سمجھوتا نہیں کرتے۔ یہ معیار اتنا سخت ہے حالانکہ جس سماج میں یہ معیار بنایا گیا ہے وہاں زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ایسا ہو، جہاں دوسروں کی نقل نہ کی گئی ہو۔اس امر کی طرف محمد الیاس نے بارش میں اشارہ کیا ہے۔وہ مثالیں دے کر ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے سماج کے ہر شعبے میں دوسروں کی دریوزہ گری کی جاتی ہے۔مثال کے طور پر یہ دوسروں کی اترن بڑے شوق سے پہنی جاتی ہے۔لنڈا بازار کے کپڑے لوگوں کی بڑی تعداد خریدتی ہے۔اس طرح دوسرے کے گلاس میں پانی پینے کو بھی عیب تصور نہیں کرتے، حد یہ کہ درباروں

پر لنگروں اور دعوتوں میں ایک ہی پلیٹ میں کئی کئی لوگ کھاتے ہیں، اسی طرح جہاں تک نظامِ تعلیم کا تعلق ہے، تو وہ بھی سارے کا سارا مستعار ہے۔ کہیں سے علوم لیے گئے ہیں، تو کہیں سے پڑھانے کے انداز اور کہیں سے تعلیم کے لیے زبان درآمد کر لی گئی ہے۔ ہمارا نظامِ حکومت بھی کہیں اور کی نقل ہے۔ پھر قانون بھی پورے کا پورا کہیں سے لیا گیا ہے، اس پر مستزاد بقول محمد الیاس ہمارے ادیب، شاعر اور فلسفی بھی چرائے ہوئے خیالات کو اپنے نام سے مشتہر کرتے ہیں یعنی ہر طرح کا جوٹھا کھا لیتے ہیں'' لیکن عورت کے بارے ہمارے مرد کا معیار یہ ہے کہ بس چلے تو ہر رات کنواری سے کم پر کسی صورت سمجھوتا نہ کرے۔''(۱۳)

معاشرتی بنیادیں ایسی تعمیر کی گئی ہیں کہ وہ آخر کار استحصال پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ انسان کو جب دو جنسوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو دونوں کی طرف سماجی رویہ افراط و تفریط کا شکار ہوتا ہے۔ سماج میں عورت کے حوالے سے پائے جانے والے رویے بھی بے قاعدگی اور انتہاپسندی کا شکار ہیں۔ کہر کا کردار جلال کہتا ہے:

> ''عورت کے ساتھ سب سے بڑا ظلم ہے کہ کوئی اسے زیادہ محبت اور وابستگی کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے اور کوئی بڑی بے رحمی سے قطع تعلق ہو کر مار دیتا ہے ... دکھ تو اس بات کا ہے کہ بیٹیوں کو بیٹیاں نہیں سمجھا جاتا اور منڈی میں اس کی صحیح قدر و قیمت اور طلب کا رجحان جانچنے کے لیے مرضی پیش نظر ہے۔''(۱۴)

بیٹوں اور بیٹیوں سے مختلف سلوک کرنے کا رجحان محض ہمارے سماج میں ہی نہیں ہے۔ کسی فرد کو اس کی جنس کی بنیاد پر مخصوص سلوک کا سزاوار قرار دینا دیگر معاشروں اور سماجوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ان ناولوں میں دیگر معاشروں کے طرزِ عمل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہر کی نگار مثال کے طور پر افریقہ اور عرب ممالک میں عورت کے حوالے سے پائے جانے والے غیر انسانی سلوک پر کھل کر تنقید کرتی ہے۔ اس کا کہنا ہے افریقہ اور عرب ممالک میں لڑکیوں کا ختنہ بھی کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ مرد یہ بتاتے ہیں کہ اس سے لڑکیوں کو سنِ بلوغت کو پہنچنے کے بعد ملاپ کی لذت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ مرد تو اس فطری عمل سے پوری طرح لذت کشید کریں اور خواتین کو بالکل بھی اس سے رغبت نہ رہے۔ نگار کے نزدیک یہ فطرت کے کاموں میں دخل اندازی ہے کہ جو صلاحیت خدا نے دونوں اصناف کو عطا کی ہے، محض اپنی طاقت کے بل پر مرد وہ صلاحیت عورتوں سے چھین لیتے ہیں۔(۱۵) وہ واضح کرتی ہے کہ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ عورتوں کے اس آپریشن کے بعد مردوں کو ملاپ میں زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی یہ سب کچھ اپنے فائدے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اسے انتہا درجے کی خودغرضی کہا جا سکتا ہے۔

رسم و رواج اور معاشرتی سطح پر ایسے سماج بھی ہیں جن کے ہاں عورتوں کی حیثیت اور ان کے بارے میں تصورات مختلف نوعیت کے ہیں۔ الیاس کے ناول پروا میں بار کے علاقے کی عورت کے حوالے

سے چند نمایاں خصوصیات کا ذکر ملتا ہے۔بار کے علاقے کی عورتوں کی منفرد خصوصیات کا ذکر پــروا میں جگہ جگہ موجود ہے، جن میں سے چند ایک کا تذکرہ اس تجزیے میں کیا جاتا ہے۔بار کی جٹی کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ وہ راہ چلتے کسی سے تعلق قائم نہیں کرتی۔اگر کر لے تو پھر جان دے دیتی ہے، لیکن تعلق نہیں ترک کرتی۔اول تو خاندان والے ہی اسے جان سے مار دیتے ہیں، تاہم اگر وہ خاندان سے بچ نکلے تو بے وفائی کرنے والے کو جان سے مار دیتی ہے۔یہ عورتیں بار کے مردوں کی طرح بہادر اور دلیر ہوتی ہیں۔دن کے وقت کسی غیر مرد سے بات کرنی پڑ جائے تو بڑے اعتماد سے کرتی ہیں۔بار کے مردوں کو بھی اپنی عورتوں پر بھروسا ہوتا ہے۔اس لیے وہ شک نہیں کرتے البتہ کسی عورت کا چھپ کر کسی مرد سے ملنا بار کے مردوں کو گوارا نہیں، اگر کسی مرد یا عورت کے بارے میں پتہ چل جائے کہ وہ چھپ کر ملتے ہیں تو انھیں معاف نہیں کیا جاتا کیوں کہ یہ تصور عام ہے کہ چھپ کر ملنے والے ضرور بدکاری کی نیت سے ملتے ہیں۔اس معاشرے میں بار کے مقامی اور آبادکاروں کے درمیان واضح فرق کیا جاتا ہے۔حتیٰ کہ دونوں قسم کی عورتوں کے درمیان بھی فرق کیا جاتا ہے۔(۱۶) یہ سماج اتنا محتاط ہے کہ گھروں میں عموماً گھوڑے نہیں رکھتے۔مردوں کی سواری کے لیے ڈیروں پر گھوڑے موجود ہوتے ہیں۔جبکہ گھروں میں زنانی سواریوں کے لیے گھوڑیاں پائی جاتی ہیں۔ماہلی کا کہنا ہے کہ "ہم عزت دار لوگ ہیں" اس لیے گھروں میں گھوڑے نہیں رکھتے۔یعنی اس بات کو ایک تہذیبی قدر کا درجہ حاصل ہے۔سو بار کے علاقے میں بھی مرد اور عورت کے حوالے سے الگ الگ معیارات موجود ہیں۔

مرد عورت کے درمیان پائے جانے والے فرق کو ختم کرنے کے لیے کیا کسی نے کوشش کی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں محمد الیاس کے ناولوں میں اس فرق پر تنقید اور مزاحمت موجود ہے یا نہیں؟ الیاس کے مزاج اور ان کے ناولوں پر جب نظر کی جائے تو جواب اثبات میں ہے۔ان کے ناولوں میں خواتین کردار خاص طور پر اور ان کے مرد ہیرو بھی اس نابرابری کو ختم کرنے کے لیے جدوجہد میں مصروف نظر آتے ہیں۔یہ جدوجہد خیالات کی سطح پر بھی ہے اور عمل کی سطح پر بھی۔خیال کی سطح سے مراد یہ کہ کردار جنس کی بنیاد پر سامنے آنے والی عدم مساوات کے جواب میں مذہب، عقل اور سماجی تجربے سے دلائل پیش کرتے ہیں اور عمل کی سطح پر کردار استحصال کرنے والوں کے سامنے باقاعدہ مزاحمت پر ڈٹ جاتے ہیں۔مزاحمت کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں۔دھوپ ناول کی اہم کردار لبنیٰ مزاحمت کی یہ صورت پیش کرتی ہے کہ جو مرد عورتوں پر فریفتہ ہیں، انھیں تگنی کا ناچ نچایا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت مرد کے سامنے اپنی پوری ہستی سمیت سرنڈر نہ کرے، بلکہ اپنی ذات اور انا کی حفاظت کرے۔(۱۷) لبنیٰ اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کا ذکر کرتی ہے، جس میں انوار اسے بے آبرو کر کے کنڈکٹر سے شادی کا مشورہ دیتا ہے۔وہ انوار کے

گھر سے نقدی اور زیور چوری کرتی ہے اور یوں اپنے ساتھ ہونے والی ڈاکے کی واردات کا بدلہ لیتی ہے۔ وہ مردوں پر طنز کرتی ہے کہ خود تو جوانی میں قدم رکھتے ہی بے راہ رو ہو جاتے ہیں۔ مگر بیوی ان چھوئی مانگتے ہیں۔ یہ بہت بڑا تضاد مردوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔

اس تجزیے سے واضح ہے کہ محمد الیاس کے ناولوں میں عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک کا بیان بھی ملتا ہے اور اس سلوک کو بدلنے کی کوششیں بھی نظر آتی ہیں۔ وہ محض اصلاحی بیانات دینے پر اکتفا نہیں کرتے۔ ان کے ناولوں کے کردار اپنی حالت بدلنے کے لیے عملی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نسوانی کردار زندگی سے بھرپور ہیں اور اپنے خلاف ہونے والے ہر عمل اور استحصال پر نہ صرف آواز اٹھاتے ہیں بلکہ اپنی حالت سدھارنے کے لیے عملی کوششیں بھی کرتے ہیں۔ یہ کردار ایک ایسے سماج کا خواب دیکھتے ہیں جہاں صنفی امتیاز نہ ہو۔ انسان اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر پرکھے جائیں نہ کہ اپنی جنس کی اساس پر۔ ایک ایسا سماج جو حقیقی معنوں میں مساوات پر مبنی ہو۔

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔ محمد الیاس، کہر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۲۴

۲۔ ایضاً، ۳۷۳ ۳۔ ایضاً، ص ۵۲۷ ۴۔ ایضاً، ص ۵۳۶

۵۔ محمد الیاس، برف (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۵۱

۶۔ ایضاً، ص ۶۲ ۷۔ ایضاً، ص ۴۱۶ ۸۔ ایضاً، ص ۴۸۷

۹۔ محمد الیاس، بارش (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۰۷

۱۱۔ محمد الیاس، کہر، ص ۲۷۳ ۱۲۔ محمد الیاس، برف، ص ۲۳۰

۱۳۔ محمد الیاس، بارش، ص ۵۰۷ ۱۴۔ محمد الیاس، کہر، ص ۵۳۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۳۶

۱۶۔ محمد الیاس، پروا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۹۲

۱۷۔ محمد الیاس، دھوپ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۰۷